اسلامی قانون تعزیرات

حدودِ شرعیہ

از: ڈاکٹر عبدالعزیز عامر

ترجمہ: سید معروف شاہ صاحب

"حد" اور "تعزیر" کا فرق اسلامی شریعت نے جرائم اور سزاؤں کی اقسام کے معاملہ میں ایک خاص طریقہ اختیار کیا ہے۔ جرائم کی ایک قلیل تعداد ایسی ہے جن کے لیے مخصوص سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں ان میں سے بعض کو "حد" اور بعض کو "قصاص" کہا گیا ہے۔ رہے ان کے سوا دوسرے جرائم تو ان کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی گئی بلکہ صاحبِ اختیار اداروں اور ججوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان کے لیے مناسبِ حال سزا تجویز کریں۔ ان سزاؤں کو تعزیرات کہا جاتا ہے اور یہی اس مقام پر ہمارا موضوع بحث ہیں۔

اس موضوع پر کچھ کہنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اُن جرائم اور اُن کی سزاؤں کے بارے میں چند کلمات کہوں جن کی سزائیں مقرر ہیں تاکہ اسلامی شریعت میں مختلف جرائم اور ان کے لیے مقرر شدہ سزاؤں کا بنیادی فرق واضح ہو جائے۔ اس کے بعد اس طریقے کی علت اور اہمیت بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

قابلِ حد جرائم حد کا لغوی مفہوم "روکنا" ہے۔ بعض سزاؤں کو حد اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ جرائم کے ارتکاب سے "روکتی" ہیں۔ فقہاء نے حد کی تعریف یوں کی ہے کہ "وہ ایک مقرر سزا ہے جو بطور حقِ خداوندی واجب ہے"۔ اس تعریف ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدود میں سزا پہلے سے من جانب شارع مقرر ہوتی ہے اور وہ بطور حقِ خداوندی واجب ہے، کیونکہ جن جرائم میں شارع

کی طرف سے سزائیں مقرر کردی گئی ہیں، معاشرتی نقطۂ نظر سے وہ حد درجہ قابلِ توجہ اور اہم ہوتی ہیں[۱]۔

جن جرائم پر حد واجب ہے وہ یہ ہیں: چوری، ڈاکہ، زنا، قذف، شراب خوری، ارتداد، اور بغاوت جس کے معاملہ میں کسی قدر اختلاف ہے۔ اِن جرائم اور اُن کی سزاوں سے ہم بالاختصار بحث کرتے ہیں۔

چوری فقہاء نے چوری کے جرم کی تعریف یوں کی ہے: "کسی عاقل و بالغ شخص کا خفیہ طور پر، کسی شبہ کے بغیر، کسی دوسرے شخص کا ایسا مال لے لینا جو ہاتھ کاٹنے کے نصاب کے برابر ہو، کسی محفوظ جگہ میں ہو، مالیت رکھتا ہو اور جلدی خراب ہو جانے والا نہ ہو"[۲]۔ اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ چوری کی اہم شرائط یہ ہیں کہ چور عاقل و بالغ ہو۔ چوری شدہ چیز مالیت رکھتی ہو، اس کی قیمت نصاب قطع ید تک پہنچتی ہو، اور وہ محفوظ مقام پر ہو[۳]۔

---

[۱] دیکھیے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مصنفہ امام زیلعی ج ۳ طبع اوّل۔ طبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۳ھ "حد" کے حق اللہ ہونے کی بنیاد کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جرائم سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ، جنہیں مغربی فلسفۂ قانون میں (PUBLIC RIGHTS) کہا جاتا ہے۔ دوسرے حقوق العباد یا حقوق اشخاص (PRIVATE RIGTS)۔ ایک حق کو "حق اللہ" اس حالت میں قرار دیا جاتا ہے جبکہ وہ یا تو خالص اللہ کا حق ہو یا اس میں اللہ کا حق غالب ہو۔ بخلاف اس کے افراد کا حق اُس وقت تصور ہوتا ہے جبکہ وہ یا تو خالصتہً ایک شخصی حق ہو یا اس میں افراد کا حق غالب ہو۔ شریعت میں اُس سزا کو اللہ کا حق کہا جائے گا جو مصلحتِ عامہ کے پیشِ نظر مقرر کی گئی ہو، مثلاً امن و سلامتی کا قیام اور دفع فساد۔ جن جرائم میں حدود مقرر ہیں ان کی سزاؤں کو اللہ کا حق اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے رونما ہونے والا فساد عوام الناس کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے اور سزا کا نفع بحیثیت مجموعی معاشرے کو پہنچتا ہے۔ ملاحظہ ہو التشریع الجنائی الاسلامی۔ عبد القادر عودہ، حصہ اول، طبع ۲ ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۰ء قسم عام ص ۷۸، اور اس کے بعد۔

[۲] فتح القدیر جلد ۵ ص ۱۲۰

[۳] یہ قول جمہور فقہاء کا ہے۔ بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ داؤد ظاہری اور حسن بصری

چوری کی سزا نص سے ثابت ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ۔ اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ المائدہ۔ ۳۸، جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں چوری کی سزا کے طور پر جس قطع ید کا حکم ہے اُس سے مراد دایاں ہاتھ کو کلائی سے کاٹنا ہے۔ خوارج کہتے ہیں کہ قطعِ ید کے حکم سے مقصود کندھے تک ہاتھ کاٹنا ہے کیونکہ ید کا اطلاق انگلیوں کے سروں سے لیکر بغل تک تمام عضو پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بعض دوسرے لوگوں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ صرف انگلیوں کا کاٹنا مناسب ہے کیونکہ انگلیوں ہی سے پکڑنے کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ آخری قول نص کے خلاف ہے۔ عبارت میں "قطعِ ید" کا ذکر ہے نہ کہ "قطعِ اصابع (انگلیاں کاٹنے) کا۔ ہاتھ کاٹنا کبھی کلائی سے ہوتا ہے، کبھی کہنیوں سے اور کبھی کندھے یا شانے سے۔ آیت کا یہ ابہام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے دور ہو جاتا ہے آپ نے حکم دیا کہ چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے۔ نیز کلائی تک کاٹنا وہ مقدار ہے جو یقینی طور پر نص سے معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اسے لے لیا جائے گا۔ نیز معاملہ سزا کا ہے اور سزا میں وہی مفہوم لیا جاتا ہے جو یقینی ہو۔[1]

ڈکیتی | اِس جرم کی سزا میں اصل الاصول یہ آیت ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ — جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑتے

قلیل وکثیر دونوں میں قطعِ ید کے قائل ہیں۔ خوارج کا بھی یہی قول ہے۔ اور متکلمین کا ایک گروہ بھی یہی بات کہتا ہے۔ اہل الظاہر اور اہل حدیث میں سے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ قدر نصاب پر ہاتھ کاٹا جائے گا اگرچہ وہ محفوظ جگہ میں نہ ہو۔ دیکھیے بدایۃ المجتہد، جزء ۲ ص ۳۷۳، ۳۷۷، طبع اول ۱۳۲۹ھ، مطبع جمالیہ مصر۔ الاحکام السلطانیہ ماوردی، ص ۲۱۴، ۲۱۵ مطبعۃ الوطن مصر ۱۲۹۸ھ۔

[1] المبسوط، سرخسی، جزء ۹ ص ۱۳۳، ۱۳۴۔ طبع ۱۳۲۴ھ

وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۔ (المائدہ ۳۳)

ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سُولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیئے جائیں ۔

اگرچہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں مرتد ہو گئے تھے اور اونٹ لے بھاگے تھے، جس کی پاداش میں ان کو گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کی آنکھوں کو گرم سلاخوں سے پھوڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا لیکن جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت ڈاکوؤں اور رہزنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جمہور ہی کا قول درست معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ اوپر کی آیت کے بعد مزید ارشاد ہوا ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ (مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ (المائدہ ۔ ۳۴) اس آیت کی رُو سے ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر چکے ہوں ۔ یہ شرط کفار کی توبہ قبول کرنے کے معاملے میں نہیں ہے ۔ اس سے معلوم ہُوا کہ یہ حکم محاربین ہی کے لیے ہے۔[1]

اب رہا یہ سوال کہ محاربہ سے مراد کیا ہے ؟ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شہروں سے باہر ہتھیار لے کر رہزنی کرنا اور مسلح ڈاکے ڈالنا "محاربہ" (یعنی اسلامی حکومت کے خلاف برسرپیکار ہونا) ہے جس پر حد واجب ہو گی ۔ لیکن اسلحہ کے بغیر فساد کرنا اور آبادی کے اندر لڑنا محاربہ ہے یا نہیں ، اس میں اختلاف ہے ۔ اسلحہ کے بغیر جنگجوئی کے بارے میں بعض کی رائے یہ ہے کہ صرف تیز دھار والے اسلحہ اٹھانا ہی محاربت میں شمار ہو گا ۔ اور بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اس امر پر اجماع

---

[1] بدایۃ المجتہد، ابن رشد حصہ ۲ ص ۳۷۹ ، ۳۸۰ - مُعِینُ الحُکّام فیما یتردّد بین الخصمین من الاحکام ص ۱۸۵ طبع اول امیریہ، بولاق، مصر ۱۳۰۰ھ ۔

ہے کہ محاربت تیز دھار والے اسلحہ سے لڑنے تک محدود نہیں ہے بلکہ ٹھوس چیزوں (مثلاً لاٹھیوں) سے لڑنا بھی محاربہ ہی ہے۔ لیکن صحیح رائے وہی ہے جسے جمہور نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص بھی مال لینے کی غرض سے لڑے، خواہ وہ اسلحہ استعمال کرے یا لاٹھی یا پتھر، یا لڑائی کے کسی دوسرے ذریعہ سے کام لے، وہ محارب ہے اور اس پر محاربین کا حکم جاری ہوگا۔[1]

رہا آبادی میں محاربت کا مسئلہ تو امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ موجب حد محاربت نہیں ہے۔ امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ قابل حد محاربت ہے۔ اور یہی قول امام شافعی، حنابلہ اور بعض حنفیہ کا ہے۔ بلکہ اسے مستوجب حد سمجھنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ آبادیاں امن و اطمینان کی جگہ ہوتی ہیں اور ان میں لوگ ایک دوسرے کے ناصر و مددگار ہوتے ہیں۔ ایسی جگہ زبردستی لوٹ مار کرنا شر پسند عناصر کی دلیری کی علامت ہے اور یہ بات اس کا تقاضا کرتی ہے کہ انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے۔ نیز یہ کہ آبادی میں ڈکیتی کرنے والے اکثر حالات میں آدمی کا سب مال لے جاتے ہیں درآنحالیکہ راستوں پر گزرتے ہوئے انسان کے پاس اس کا پورا مال نہیں ہوتا۔ یہی رائے درست ہے کیونکہ شہروں میں مجرم زیادہ دلیر اور طاقتور ہوتے ہیں۔[2]

ڈکیتی کے بارے میں جو احکام وارد ہیں، ان کے متعلق امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ان میں مختلف حالات کا حکم مختلف ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے کسی شاہراہ عام کو صرف پُرخطر بنا دیا ہو، لیکن کسی کو نہ قتل کیا ہو نہ کسی کا مال لوٹا ہو تو اسے صرف جلاوطن کیا جائے گا۔ اور جس نے

---

[1] بدایۃ المجتہد حصہ دوم ص ۳۸۰۔

[2] السیاسۃ الشرعیہ، ابن تیمیہ ص ۲۹۔ بدایۃ المجتہد ابن رُشد حصہ دوم ص ۳۸۰۔ ابن رُشد نے لکھا ہے کہ امام شافعی نے "شوکت" کو محارب قرار دیئے جانے کے لیے شرط قرار دیا ہے اور مجرمین کی تعداد کا وہ لحاظ نہیں کرتے۔ شوکت کا مفہوم یہ ہے کہ حملہ آور کے پاس طاقت ہو جس سے وہ دوسرے کو مغلوب کر سکتا ہو۔ اس لیے وہ آبادی سے دوری کو شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ وہیں ڈاکو اپنے شکار کو مغلوب کر سکتے ہیں۔ البتہ امام شافعی یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب حکومت کمزور ہو اور ڈاکوؤں کو شہروں میں بھی غلبہ حاصل

مال لوٹا ہو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور جس نے قتل تو کیا لیکن مال نہیں چھینا اُسے قتل کیا جائے گا۔ اور جس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لیا تو اس کے بارے میں حاکم کو اختیار ہے کہ یا تو اس کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر اُسے سُولی پر چڑھا دے یا ہاتھ پاؤں نہ کاٹے اور صرف قتل کر دے۔

امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ مجرم کو سُولی دینے سے معاف نہ کیا جائے۔ اور ابو الحسن نے امام ابو یوسف سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد حاکم اسے تین دن تک سُولی پر چڑھائے رکھے اور پھر ورثا کے حوالے کر دے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسے قتل تو کیا جائے مگر سُولی پر نہ چڑھایا جائے، کیونکہ قطع کے ساتھ سُولی پر چڑھانا دو سزائیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک جُدا حالت سے مقید ہے، لہٰذا ان دونوں کو جمع نہ کیا جائے [1]

دوسرے بہت سے فقہا، جن میں امام شافعی اور امام احمد شامل ہیں، کہتے ہیں کہ ڈاکوؤں نے اگر قتل کے ساتھ مال بھی لیا ہو تو انہیں قتل کے ساتھ سُولی پر بھی چڑھایا جائے گا لیکن اگر مال نہ لیا ہو تو قتل کر دیئے جائیں گے سُولی پر نہ چڑھایا جائے گا۔ اور اگر صرف مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ لیکن اگر انہوں نے راستوں کو پُرخطر بنا دیا ہو تو جلا وطن کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ یہ رائے امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے قریب ہے [2]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ڈاکو نے اگر قتل کا ارتکاب کیا ہے تو اس کا قتل ضروری ہے، مگر

۴۔ ہو جائے تو شہر میں بھی ڈاکہ مارنے والے کو "محارب" قرار دیا جائے گا۔ باقی تمام حالتوں میں زبردستی مال چھیننے کو اختلاس (لوٹ) سمجھا جائے گا نہ کہ "محاربہ"۔ (واضح رہے کہ محاربہ کا لفظ اسلامی قانون میں قریب اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جس میں تعزیراتِ ہند WAGING WAR AGAINST THE KING کے الفاظ استعمال کرتی ہے)۔

[1] معین الحکام ص ۱۸۵

[2] السیاستہ الشرعیہ، ابن تیمیہؒ ص ۳۶۔

حاکم کو اس صورت میں مجرم کو ہاتھ پاؤں کاٹنے اور جلاوطنی کی سزا دینے کا اختیار نہیں ہے البتہ اختیار صرف اس امر کا ہے کہ اسے قتل کرے یا سُولی پر چڑھا دے۔ اور اگر اس نے صرف مال لیا ہے قتل نہیں کیا، تو اس صورت میں امام کو قتل یا سُولی یا قطع کا اختیار تو ہے مگر جلاوطن کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اور اگر اس سے صرف راستے کو خطرہ لاحق ہوا ہے تو امام کو اس کے قتل، سُولی، قطع اور جلاوطنی سب کا اختیار ہے۔ امام مالک کے نزدیک سزاؤں میں اختیار دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے اجتہاد پر مدار ہے۔ اگر ڈاکو کوئی ایسا سرغنہ ہے جس کا حکم چلتا ہو اور وہ صاحبِ رائے و تدبیر ہے تو اجتہاد چاہتا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے یا سُولی دی جائے، کیونکہ محض ہاتھ پاؤں کاٹنے کی صورت میں اس کی مضرت دفع نہ ہو سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ قطع اعضاء کے بعد بھی وہ جرائم میں اپنا حصّہ ادا کرتا رہے۔ لیکن اگر وہ صاحبِ رائے و تدبیر نہیں ہے، البتہ طاقتور، قوی اور بہادر ہے تو اس شکل میں اس کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے کاٹنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس سزا سے اس کی طاقت ختم ہو جائے گی۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں اس کو حاصل نہیں ہیں تو اسے ڈاکوؤں کی چار سزاؤں میں سے کم تر درجے کی سزا دی جائے گی یعنی مار پیٹ کے بعد جلاوطنی[1]

بعض فقہاء کا خیال یہ ہے کہ ڈاکوؤں کے بارے میں حاکم کو کھلا اختیار حاصل ہے کہ ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب سمجھے دے[2]

۸۔ جو شخص بھی اِس جرم کے معاملے پر غور کرے گا وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے گا کہ اس کے نقصانات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ڈاکوؤں اور رہزنوں کے ہاتھوں جان و مال کے احترام پر دست درازی، مسافروں کا دائمی خوف و ہراس اور اس سے پھیلنے والی افراتفری، اندرونِ ملک سے امن و امان کی تباہی اور قومی اقتصادیات پر اس کے بُرے اثرات، یہ وہ امور ہیں جن پر آدمی ٹھنڈے دل سے غور کرے تو وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ محاربین کے لیے شریعت میں جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں وہ بہت سخت

---

[1] بدایۃ المجتہد۔ ابن رشد ۲ ص ۳۸۰۔ ۳۸۱، السیاستہ الشرعیہ ابن تیمیہ ص ۳۶

[2] بدایۃ المجتہد ۲ ص ۳۸۱۔ دراصل اس مسئلے میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیت میں لفظ "او" استعمال ہوا ہے۔

ہیں۔علاوہ بریں اگر اُن فقہاء کی رائے قبول کرلی جائے جو قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں کے معاملہ میں تخییر (DISCRETION) کے قائل ہیں تو مختلف حالات کے لیے مختلف سزائیں تجویز کرنے کی وسیع گنجائش نکل آتی ہے۔بعض مجرم ایسے ہوتے ہیں جو قتل سے نہیں ڈرتے مگر ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کی سزا انہیں خوف زدہ کرکے جرم سے باز رکھ سکتی ہے۔نہایت سرکش مجرم بھی جب دوسرے سزا یافتہ ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے مجرمین کو دیکھیں گے تو وہ جرائم کے ارتکاب سے باز آجائیں گے، بخلاف اس کے ایک مقتول مجرم کو اکثر اوقات لوگ بھول جاتے ہیں۔بعض غیور قسم کے لوگ اعضاء کٹنے پر قتل کو ترجیح دیتے ہیں وہ قتل سے تو نہیں ڈرتے لیکن اعضاء کٹنے سے بے حد ڈرتے ہیں۔اور اچھی سزا تو ہوتی ہی وہ ہے جو مجرمین کو ارتکاب جرائم سے باز رکھے۔اسی سے سزا کے اغراض و مقاصد پورے ہوں۔

زنا امام ابوحنیفہ موجب حدِ زنا کی تعریف یوں کرتے ہیں: "ایسی زندہ عورت کے ساتھ رحم کی جانب سے مجامعت کرنا جو ملک و نکاح میں نہ ہو اور نہ اس کے ملک و نکاح میں ہونے کا شبہ ہو۔" اور عورت زانیہ اس وقت شمار ہوگی جبکہ وہ اس حالت میں مرد کو اپنے ساتھ اس فعل کا ارتکاب کرنے دے[1]

دوسرے فقہاء کی تعریف بھی اسی کے قریب قریب ہے لیکن فرق یہ ہے کہ وہ مقعد کی جانب سے مباشرت کو بھی زنا قرار دیتے ہیں حنابلہ اور شوافع انہی میں شامل ہیں[2]

جرمِ زنا کا حکم محصن اور غیر محصن کے معاملہ میں مختلف ہے۔

زانی غیر محصن کی سزا غیر محصن وہ شخص ہوتا ہے جو بحالتِ نکاح اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرچکا ہو۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ لفظ اختیار (DISCRETION) کے لیے ہے یا تفصیل (DETAIL) کے لیے۔ بالفاظ دیگر آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی سزا دے دی جائے، یا یہ مطلب ہے کہ مجرموں کے جرائم کی نوعیت جیسی ہو ویسی ہی سزا دی جائے۔ امام مالکؒ نے بعض ڈاکوؤں کے معاملہ میں پہلے معنی اختیار کیے ہیں اور بعض کے معاملہ میں دوسرے معنی۔

[1] بدائع الصنائع للکاسانی ج ۷، ص ۳۳، ۳۴۔ فتح القدیر ج ۵، ص ۳۰، ۳۱۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۳

[2] الاحکام السلطانیہ، ابویعلیٰ ص ۲۴۷ طبع ۱۳۵۷ھ۔ تصحیح و حواشی شیخ حامد الفقی۔ الاحکام السلطانیہ

اس کے بارے میں اتفاق ہے کہ ایسے زانی کو سو کوڑے مارے جانے کی سزا دی جائے گی[۱]۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ "بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والے مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو" (النور: ۲)۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ غیر محصن کو سو کوڑوں کے ساتھ جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ اس کے لیے حد صرف سو کوڑے ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ اگر حاکم کا یہ خیال ہو کہ کسی مجرم کو جلاوطن کرنا بھی ضروری ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور یہ تادیبی کارروائی ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جلاوطنی واجب ہے اور سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ غیر محصن کے لیے یہ حد بھی مقرر ہے۔ زانی اور زانیہ دونوں کو بلا انقیاد ایک سال کے لیے جلاوطن کرنا ہوگا، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے شہر سے کم از کم اتنی دور بھیجا جائے گا جہاں تک سفر ایک رات اور دن میں طے کیا جا سکے[۲]۔ یہی رائے حنابلہ کی بھی ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف مرد کو جلاوطن کیا جائے گا، عورت کو نہیں، اور یہی رائے امام اوزاعیؒ کی بھی ہے۔

جو لوگ علی الاطلاق جلاوطنی کے قائل ہیں، وہ حضرت عُبادہ بن الصامتؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مجھ سے اس کا حکم سنو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راستہ نکال دیا ہے۔ غیر شادی شدہ، غیر شادی شدہ سے کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی، شادی شدہ شادی شدہ سے کرے تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم۔" نیز وہ حضرات ابوہریرہؓ اور زید بن خالد الجُہنیؓ کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ

الماوردی ص ۲۱۲۔ مالکیہ کی رائے بدایۃ المجتہد، ج ۲ ص ۳۶۲ میں دیکھیے۔ "زنا ہر اس مباشرت کو کہتے ہیں جو نکاح صحیح میں نہ ہو، نہ شبہ نکاح میں اور نہ ملک یمین میں۔"

[۱] السرخسی ج ۹ ص ۳۶ اور اس کے بعد۔

[۲] یہ حکم اس زمانے میں بیان کیا گیا تھا جب لوگ پیدل یا اونٹوں پر، یا دوسری سست رفتار سواریوں پر سفر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اب جلاوطنی کی سزا کے لیے فاصلے کا تعین کسی اور پیمانے سے کرنا ہوگا (مترجم)

علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا "میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجیے"۔ اس کا مخالف بھی جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا سامنے موجود تھا۔ اُس نے کہا ہاں اللہ کی کتاب کے مطابق ہمارے درمیان فیصلہ کیجیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو۔ اس نے کہا "میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری کرتا تھا۔ اس دوران اس نے اس کی عورت سے زنا کا ارتکاب کیا۔ مجھے کسی نے یہ کہا کہ تیرے بیٹے کے لیے رجم کی سزا ہے۔ میں نے اس کو سو بکریاں اور ایک لونڈی فدیے میں دے دی۔ اس کے بعد میں نے اہلِ علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کے لیے سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور رجم اس شخص کی عورت کے لیے ہے"۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس دی جائیں گی۔ اور تیرے بیٹے کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے"۔

امام مالک اس جلاوطنی کے قاعدے سے عورت کو اس لیے مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اگر عورت کو بھی ملک بدر کیا گیا تو جلاوطنی میں بدکاری کا خطرہ اور بڑھ جاتے گا، بلکہ اس سے بھی زیادہ شنیع مفاسد کا خطرہ ہوگا۔ امام مالکؒ نے یہ رائے مصالحِ مُرسلہ کی بنا پر اختیار کی ہے۔ یہ استدلال، جسے امام مالک اکثر اوقات کام میں لاتے ہیں، عوام الناس کی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

حنفی اس معاملہ میں کتاب اللہ کے ظاہر الفاظ سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ آیت میں کوڑوں کی سزا کے سوا کسی اور سزا کا ذکر نہیں ہے، جلاوطنی کی رائے رکھنے والے نصِ قرآن پر اضافہ کر رہے ہیں اور یہ درحقیقت نسخ ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ قرآن کو خبرِ واحد سے منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ شوافع جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ بھی خبرِ واحد ہے۔ نیز وہ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگوں کے آثار پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے غیر محصن کو صرف دُرّے لگوائے، جلاوطنی کی سزا نہیں دی۔[1]

---

[1] معین الحکام ص ۱۸۲۔ بدایۃ المجتہد، ابن رشد ص ۳۶۴، ۳۶۵، ج ۲۔ الاحکام السلطانیۃ الماوردی ص ۲۱۲۔ الاحکام السلطانیہ، ابویعلیٰ ص ۲۴۷۔

زانی محصن کی سزا محصن وہ شخص ہے جو بحالتِ نکاح اپنی بیوی سے مباشرت کرچکا ہو۔ میں سب سے پہلے یہاں احصان کی شرائط بیان کروں گا اور اس کے بعد زانی محصن کا حکم بیان کروں گا۔

امام ابوحنیفہ اور مالک کے نزدیک بلوغ، عقل، آزادی، نکاحِ صحیح میں دخول، اور اسلام احصان کے لیے شرط ہیں۔ لیکن امام شافعی زنا کے معاملہ میں احصان کے لیے اسلام کو شرط نہیں قرار دیتے۔ جو لوگ اسلام کو شرط قرار دیتے ہیں اُن کا استدلال یہ ہے کہ احسان فضیلت ہے اور اسلام کے سوا فضیلت کا تصوّر نہیں ہو سکتا۔ اور رائے مخالف کے قائلین ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو امام مالکؒ نے نافع کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ حدیث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک یہودی اور یہودیہ کو، جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا، رجم کی سزا دی تھی۔ اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ میں اُن لوگوں کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں جو "احصانِ زنا" میں اسلام کو شرط قرار نہیں دیتے، ایک تو اس حدیث کی وجہ سے اور دوسرے یہ کہ زنا میں رجم ایک عذاب اور سزا ہے لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک مسلمان تو اس سزا کو بھگتے اور ایک غیرمسلم محض اپنے عدمِ اسلام کی وجہ سے اس سے بچ نکلے[1]۔

جمہور کے نزدیک زانی محصن کی سزا پتھروں سے مار کر قتل کر دینا ہے، یا وہ سزا جو اس کے قائم مقام ہو[2]۔ یہ حد صحیح سنّت سے ثابت ہے اور جمہور نے اس سے آیتِ جلد کو مخصوص

---

[1] معین الحکام ص ۱۸۲ - بدایۃ المجتہد، ابن رُشد حصّہ ۲ ص ۴۲۶ - الاحکام السلطانیہ، ابویعلیٰ ص ۲۴۲۔ (اس مسئلے پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۸ تا ۳۴۰۔ مترجم)

[2] المغنی، ابنِ قدامہ، جلد ۱۰، ص ۱۲۰، ۱۲۱ طبع المنار ۱۳۴۸ھ - اس میں بتایا گیا ہے کہ زانی محصن کے لیے رجم کی سزا ہے۔ عام اہلِ علم کی رائے یہی ہے۔ صحابہ، تابعین اور اُن کے بعد تمام زمانوں اور تمام علاقوں کے علماء یہی رائے رکھتے رہے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے۔ البتہ خوارج نے اختلاف کیا ہے۔ وہ شادی شدہ اور غیرشادی شدہ دونوں کے لیے کوڑوں کی سزا کے قائل ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ آیت اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِی عام ہے، اور کتاب اللہ کو جو قطعی اور یقینی ہے اخبار آحاد کے لیے ترک نہیں کیا جاسکتا جن میں جھوٹ کا امکان

کیا ہے ۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس ملازم نے اپنے آقا کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اس کے مقدمہ میں حضور نے فرمایا تھا "انیس، تم جا کر اس شخص کی عورت سے دریافت کرو۔ اگر وہ اقرار کرے تو اسے رجم کر دو" انیس دوسرے دن اس کے پاس گئے تو اس نے اعتراف کر لیا اور حضورؐ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا اور اسے رجم کر دیا گیا ۔ اسی طرح ماعز کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے زنا کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اقرار کیا اور آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ نیز غامدیہ کے معاملہ میں بھی یہی ہوا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کا اعتراف کیا، اور وہ محصنہ تھیں، آپ نے ان کو بھی رجم کی سزا دی ۔ یہ آخری دونوں واقعات متعدد طریقوں سے روایت ہوئے ہیں ۔ پس یہ احادیث جو صحاح میں منقول ہیں، اور جن سے زانی محصن کے لیے رجم کی سزا ثابت ہوتی ہے، ان کی بنا پر کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص ہو جاتی ہے[۱]۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ زانی محصن کو رجم کے ساتھ کوڑے بھی لگائے جائیں گے یا نہیں حسن بصری، اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ پہلے اسے سو کوڑے مارے جائیں گے اور اس کے بعد رجم کیا جائے گا ۔ امام احمد سے اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں ۔ ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مجرم کو صرف رجم کیا جائے، کوڑے نہ مارے جائیں ۔ اور یہی رائے جمہور فقہاء کی ہے ۔ وہ رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا کے قائل نہیں ہیں ۔

جو لوگ رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا کے بھی قائل ہیں وہ آیتِ زنا کے عموم سے استدلال کرتے ہیں، مزید برآں وہ اس رائے کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ بھی پیش کرتے ہیں جسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے شراحہ ہمدانیہ کو جمعرات کے دن سو کوڑے لگوائے اور

۔ ہے، اور اس سے سنت کے ذریعہ کتاب اللہ کا نسخ لازم آتا ہے جو جائز نہیں ہے "۔

[۱] المبسوط للسرخسی جزء ۹ ص ۳۶ اور اس کے بعد معین الحکام ص ۱۸۲ ۔ بدایۃ المجتہد، ابن رشد جزء ۲ ص ۳۶۳ ۔ الاحکام السلطانیہ الماوردی ص ۲۱۲ ۔ الاحکام السلطانیہ ابو یعلی ص ۲۴۴ المغنی، ابن قدامہ ج ۱۰ ص ۱۲۰ اور اس کے بعد ۔ احکام القرآن، جصاص، ص ۳ ، ۲۵۶ ، ۲۵۷ ۔ نیل الاوطار، شوکانی ج ۷ ، ص ۱۰ ، ۲۵ ۔

جمعہ کے دن رجم کیا اور فرمایا کہ میں نے اسے کتاب اللہ کے مطابق کوڑے لگوائے اور سنت رسول اللہ کے مطابق رجم کیا۔ نیز وہ عُبادہ بن الصامت کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے اور اس میں یہ حکم بیان ہوا ہے کہ "شادی شدہ اگر شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کرنا ہے۔" اس کے مقابلہ میں جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حضورؐ نے غامدیہ، ماعز، قبیلہ جُہینہ کی ایک عورت، ایک یہودی مرد و عورت اور قبیلہ اَزد کے بنی عامر کی ایک عورت کو رجم کی سزا دی لیکن ان میں سے کسی کو بھی رجم سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے۔ اس بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ محصن کے لیے کوڑوں کی سزا منسوخ ہو چکی ہے۔ نیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ حدود سے اصل غرض ترہیب ہے تاکہ دوسرے لوگ جرم سے باز رہیں اور رجم کے ساتھ کوڑے مارنے یا نہ مارنے سے اس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ بیشی۔

میرے نزدیک یہ رائے کہ رجم کے ساتھ کوڑے نہ لگائے جائیں، زیادہ قابل قبول ہے کیونکہ زانی محصن کے معاملہ میں جس چیز نے سورۂ نور کی آیتِ جَلد کے عموم کو مخصوص کیا ہے وہ احادیثِ رجم ہیں نہ کہ کوئی ایک حدیث، اور مزید برآں رجم کے ذریعہ سے کسی زانی کو موت کی سزا دینے سے پہلے اسے کوڑے لگوانے میں ایک غیر ضروری زیادتی پائی جاتی ہے۔[1]

قذف | اس جرم کے سلسلے میں قانونی بنیاد یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (النور ۴)

اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور وہی بدکار ہیں۔

۱۔ رجم کے ساتھ کوڑے لگانے کی بحث کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بدایۃ المجتہد، ابن رُشد ج ۲ ص ۳۶۳، ۳۶۴ - المغنی، ابنِ قدامہ ج ۱۰ ص ۱۲۴ اور اس کے بعد - الاحکام السلطانیہ، ابو یعلیٰ ص ۲۴۷، ۲۴۸۔

اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف نہیں ہے کہ جو قذف موجب حد ہے اس سے مراد زنا کاری کا الزام لگانا ہے یا نسب کا انکار ہے۔ اس کے سوا جتنے دوسرے الزامات ہیں وہ حد قذف کے موجب نہیں ہیں۔ اُن کے لیے تعزیرات میں کوئی سزا ہو سکتی ہے نہ کہ حد

قذف کے جرم میں حد جاری کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ قاذف بالغ اور عاقل ہو اور مقذوف محصن ہو۔ زنا کے احصان اور قذف کے احصان میں فرق ہے۔ زنا کی صورت میں کسی شخص کو محسن قرار دینے کے لیے عقل، بلوغ، حریت اور اسلام کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ زانی نے کسی عورت سے صحیح نکاح کر لیا اور دخول بھی ہو چکا ہو۔ بخلاف اس کے قذف کے معاملہ میں مقذوف کے محصن ہونے کے لیے عقل، بلوغ، حریت اور اسلام کے ساتھ صرف یہ شرط ہے کہ وہ پاکدامن ہو۔

قاذف کی حد اسّی کوڑے ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں "ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً"۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ صاف طور پر کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ اس پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ کوڑوں کے علاوہ مزید سزا یہ بھی ہے کہ قذف کے سزا یافتہ کی شہادت بھی قبول نہ ہو گی۔ "وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا" اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو"۔ نیز حدیث میں آتا ہے "مسلمان ایک دوسرے پر شہادت کے سلسلے میں عادل ہیں مگر وہ شخص جسے حد قذف کی سزا ملی ہو"۔

اگر مقذوف قاذف کو معاف کر دے تو امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے فقہا یہ کہتے ہیں کہ معافی درست نہیں ہے، لہٰذا حد ساقط نہ ہوگی خواہ اس جرم کی اطلاع حاکم کو ملی ہو یا نہ۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اگر جرم کی اطلاع حاکم تک پہنچ گئی ہو تو معافی جائز نہیں ہے اور اگر اطلاع نہ ملی ہو تو معافی جائز ہے۔ اس سلسلہ میں امام مالک کے اقوال مختلف ہیں۔ کبھی تو وہ امام شافعی سے اتفاق کرتے ہیں، اور کبھی وہ معافی کے جواز کو اختیار کر کے اسے مؤثر سمجھتے ہیں جبکہ معاملہ حاکم تک نہ پہنچا ہو۔ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ حاکم تک اطلاع پہنچ جانے کے بعد بھی ایسی صورت میں عفو جائز ہو گا جبکہ مقذوف خود اپنی پردہ پوشی کے لیے معافی قبول کر لینے کی خواہش ظاہر کرے۔ یہی آخری رائے ان کی مشہور رائے ہے۔

عفو کے جواز و عدم جواز کے معاملہ میں اختلاف کا مرجع دراصل یہ سوال ہے کہ قذف کی حیثیت کیا ہے؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حق ہے ان کا خیال یہ ہے کہ زنا کی طرح اس جرم کی معافی بھی جائز نہ ہو گی۔ اور جن فقہاء نے اسے انسانوں کا حق سمجھا ہے وہ معافی کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور جن کی رائے میں یہ دونوں کا حق ہے اور اللہ کا حق غالب ہے وہ کہتے ہیں کہ جب معاملہ حاکم تک جا پہنچا ہو تو معافی نہیں ہو سکتی۔ اور جو اس میں انسانوں کے حق کو غالب سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حاکم تک پہنچ جانے کے بعد بھی معافی ہو سکتی ہے

مقذوف اگر قاذف کے الزام کی صداقت تسلیم کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

میں سمجھتا ہوں قذف اپنے مزاج اور جرم کے اعتبار سے معاشرے کا حق (PUBLIC RIGHT) ہے۔ اجتماعی نظام کا یہ فرض ہے کہ وہ مجرمین کا پیچھا کرے اور جرائم پر سزا دے تاکہ معاشرہ کو فساد سے پاک کیا جا سکے۔ معاشرہ میں کسی پر بدکاری کا الزام لگانا دراصل لوگوں کی عزت پر حملہ کرنا ہے جسے شارع محفوظ رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس لیے لوگوں کی عزت پر حملہ کرنا دراصل معاشرہ کی حق تلفی سمجھا جائے گا اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معافی کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ قاذف پر سے حد ساقط ہو جائے[لہ]

(باقی)